کس لئے؟

از
حضرت مولانا مناظر احسن صاحب

(۲)

لیکن کیا کیجئے، آدمی کس لئے ہی ہے اس کا یہ جواب کہ خالق کائنات نے خود اپنے لئے اس کو پیدا کیا ہے اپنے اپنے ذاتی رجحانات اور میلانات کے زیر اثر اسی کی تشریح و توضیح میں عجیب و غریب شگوفے کھلتے رہے۔

رہبانیت روحانیت

ایک طرف تو سمجھنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ خالق کے لئے جو پیدا ہوا ہے، اس کا فرض ہو جاتا ہے، کہ مخلوقات سے جہاں تک دوری اختیار کر سکتا ہو، دور ہوتا چلا جائے۔ رہبانیت اور جوگیت اسی رجحان کی تعبیر ہے جس کی ابتدائی منزل میں سمجھایا جاتا ہے کہ غذا جیسی ناگزیر ضرورت سے تعلق کو کمزور کرنے کے لئے چاہیئے، کہ بغیر کسی رغبت اور لذت گیری کے اس کو اس طرح کھایا جائے کہ کھانے والا مسلسل کھاتے ہوئے یہ بھی سوچتا چلا جائے کہ اس کی مثال اس شخص کی ہے، جو جنگل سے گذر رہا ہو، اور اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے اپنے بچے کا گوشت کھا رہا ہو (ترجمہ کتاب ہندی فلسفہ از ڈاکٹر گپتا ج ا ص ۱۵۲ دار الترجمہ سرکار عالی)

یہ ہندوستانی رہبانیت کے دائرہ کا مشہور اور عام فقرہ ہے، بعض خاص مصلحتوں کی بنیاد پر اسی طریقۂ زندگی کو رہبانیت و جوگیت کے ساتھ ساتھ روحانیت کے نام سے بھی موسوم کرتا ہوں، موجودہ مغربی اصطلاح میں چاہیئے تو اسے اسپریچوزم بھی کہہ لیجئے۔ اس مسلک کی بنیاد یا روح یہی ہے کہ جو بڑائیاں آدمی کو اپنے وجود کی اسی غرض و غائیت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہیں کہ وہ خالق کائنات کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اس کی ان ہی بڑائیوں نے ماورا، انسانی مخلوقات سے استفادہ کے حق کو اس کا پیدائشی اور قدرتی حق بنا دیا ہے، اس مسلک میں گویا سمجھنا چاہیئے آدمی کے اسی پیدائشی حق سے دست برداری کا عملاً اعلان کیا جاتا ہے، اسی طرح اپنے وجود کے اسی بلند ترین نصب العین یعنی آدمی کا خدا کے لئے ہونا، اسی کی بدولت انسانیت کے متعلق یہ عام احساس جو پایا جاتا ہے کہ تمام پیداواروں کے مقابلہ میں وہی زمین کی سب سے زیادہ قیمتی اور انمول پیداوار ہے۔

اسی بنیاد پر انسانی صلاحیتوں کی حفاظت و بقا، اور پوشیدہ امکانات کے بہبود و ارتقاء کی کوششوں کو جو غیر معمولی اہمیت عام طور پر حاصل ہے، اس کی اہمیت کی چنداں پروا رہبانیت یا روحانیت کے دائروں میں نہیں کی جاتی، کیوں کہ کچھ بھی ہو، انسان بھی بہرحال خالق نہیں، بلکہ مخلوق ہی ہے، بال بچوں کے جھگڑوں یا سوسائٹی اور اجتماع کے جھگڑوں سے ممکنہ حد تک آزاد رہنے کا میلان اس طبقہ میں اسی نقطۂ نظر کا نتیجہ ہے، کہ خدا یا خالق کائنات کے لئے ہونے کا مطلب ان کے نزدیک اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اپنی اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ، خالق ہی کی تلاش و جستجو دھیان و گیان میں بسر کر دیا جائے۔

عملی مادیت یا پریکٹیکل میٹرلزم

رہبانیت و روحانیت کے مذکورہ بالا طریقۂ فکر اور طرز زندگی کے بالکل برعکس ہر زمانہ میں دوسرا گروہ بھی پایا گیا ہے، بلکہ عموماً عددی اکثریت اسی گروہ کی پہلے بھی رہی ہے، اور آج کل بھی ہے، جس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا، کہ خدا جو ہر قوم کی حاجتوں اور ضرورتوں سے پاک ذات کی تعبیر ہے، آدمی بھلا اس کے کام کا کیا ہو سکتا ہے، اسی لئے آدمی خدا کے لئے ہی ہے۔ سمجھا جاتا ہے اس کا مطلب اگر کچھ ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے، کہ آدمی خدا کے مخلوقات کے کام آئے، اور جو چیزیں آدمی کے لئے پیدا کی گئی ہیں ان سے مستفید ہو، ان کے افادہ کے ممکنہ پہلوؤں کو اجاگر کرے یہی وہ لوگ ہیں جن کی زندگی کے عملی خانوں میں خدا یا خالق کائنات کے لئے نہ کسی قسم کی کوئی گنجائش ہوتی ہے اور نہ اس گنجائش کو وہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے کاروبار کی ساری سرگرمیاں مخلوقات ہی کو محور بنا کر ان ہی کے ارد گرد گردش کرتی ہیں، وہ بھی کرتے ہی ہیں اور اس کے سوا کچھ کرنا بھی نہیں چاہتے، یہ ممکن ہے کہ بعض گنے چنے افراد ان میں ایسے بھی ہوں جو خدا کے یقین ہی سے اپنے قلوب کو محروم پاتے ہوں، اسی لئے روحانیت کے مقابلہ میں چاہا جائے تو زندگی کے اس خاص رویّہ کا نام مادیت یا میٹرلزم بھی رکھدیا جا سکتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ کافی معقول بڑی تعداد اس طبقہ میں ان ہی لوگوں کی ہمیشہ رہی ہے اور آج بھی ہے، جو بجائے مادہ کے خدا ہی کو کائنات کا خالق و آفریدگار تسلیم کرتے ہیں لیکن باایں ہمہ اس خدا کی ذات سے ربط پیدا کرنے کا میلان ان میں نہیں پایا جاتا، وہ خدا کا انکار نہیں کرتے لیکن، ان کی عملی زندگی بتاتی ہے کہ خالق کی ذات و صفات سے نہ ان کو کوئی دلچسپی ہے اور نہ ان سے تعلق قائم کرنے کی کوئی خواہش یا آرزو اپنے اندر وہ رکھتے ہیں بلکہ جہاں تک

مشاہدہ کا تعلق ہے ان کی اکثریت دنیا کے کسی نہ کسی مذہب و دین کی طرف بھی اپنے آپ کو عموماً منسوب کرتی رہی ہے اور آج بھی کسی نہ کسی مذہبی ٹولی میں اپنے آپ کو شمار کرنے والے ہی ان میں اکثر دیکھے جاتے ہیں مگر ان کے مشاغل کی فہرست آپ کو بتائے گی، کہ خالق کے لئے اس میں کوئی مد نہیں رکھی گئی ہے اسی لئے ایسے سارے اعمال و افعال جو مذاہب و دیانات میں خالق ہی کے تعلق سے انجام دئے جاتے ہیں وہ چنداں اہم اور مستحق توجہ نہیں سمجھے جاتے[۱]

اسی لئے بجائے خالص مادیت (میٹیرلزم) کے زندگی کے اس طریقہ کی تعبیر عملی مادیت (پریکٹکل میٹیرلزم) سے کرنا غالباً زیادہ موزوں ہوگا، کیوں کہ مادیت جو فلسفہ کے ایک خاص مکتب خیال کی تعبیر ہے اس میں بجائے خدا کے مادّہ ہی کو عالم کا مصدر و سرچشمہ سمجھا جاتا ہے کچھ بھی ہو یہ واقعہ ہے کہ عملی مادیت کی اسی ذہنیت کے زیر اثر زندگی گذارنے والے آپ کو عیسائیوں، یہودیوں، ہندوؤں وغیرہ کے سوا خود مسلمانوں میں بھی ملیں گے بلکہ اکثریت پر یہی رنگ روز بروز چڑھتا چلا جا رہا ہے

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

سے خود شعر کہنے والے شاعر کی مراد واقع میں جو کچھ بھی ہو، لیکن اسی قسم کی شاعرانہ تعبیروں سے ان فطری جذبات و عواطف کے تقاضوں کی تسکین بخشی میں عموماً سہارا لیا جاتا ہے جو براہ راست خالق ہی سے ربط پیدا کرنے کے لئے انسانی سرشت میں محفوظ کئے گئے ہیں،

بلکہ کہتے ہوئے اسی لئے جی ڈرتا ہے کہ شاید پہلی دفعہ کہا جا رہا ہے۔ پڑھنے والوں کو ممکن ہے تعجب ہو مگر کیا کیجئے کہ اپنی سمجھ میں یہی آیا ہے۔

---

[۱] آج کل مسلمانوں میں بھی ایک ایسی ٹولی اُٹھ کھڑی ہوئی ہے جو اپنے کاغذی اور زبانی اعلانات میں دعویٰ کرتی ہے کہ عصر حاضر میں دین اسلامی کی تنہا علم بردار وہی ہے، لیکن اسی کے ساتھ بغیر کسی خوف اور جھجک کے اسی ٹولی کے لوگ بھی کہتے ہی پھرتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں کہ نماز روزہ وغیرہ جیسی دینی عناصر دین کے جوہری عناصر میں ہیں اور کاروبار کے ان ہی شعبوں کو دین کا وہ سب کچھ قرار دیتے ہیں، جن میں جو کچھ بھی کیا جاتا ہے اس کا تعلق مخلوقات ہی سے ہوتا ہے اپنے اسی میلان کو اپنی دینی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت باور کرتے ہیں۔

بت پرستی یا اصنامیت بھی عملی مادیت کی ایک شکل ہے

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ بت پرستی، یا مشرکانہ ذہنیت جس کا دور دورہ تاریخ کے مختلف قرون، ادوار میں مختلف ممالک و اقوام میں رہا ہے اور اب بھی بنی آدم کی اچھی خاصی آبادیوں میں اس کا رواج مردہ نہیں ہوا ہے۔

میرا خیال یہی ہے کہ یہ بھی عملی مادیت ہی کا ایک قدیم بلکہ پارینہ و فرسودہ قالب ہے، سمجھ میں یہی آتا ہے کہ خالق سے بے گانگی اور مخلوقات میں استغراق جو اس ذہنیت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے جب اس ذہنیت کی تشکیل قوموں میں ہوئیں، جیسا کہ اس وقت تک ہوتی رہتی ہیں تو گو خالق کے وجود کا انکار نہیں کیا گیا۔ لیکن تعلق صرف مخلوقات ہی کی حد تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے پھر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں منجملہ دوسرے کاموں کے مخلوقات سے استفادہ کی راہ میں آج کل تو صرف یہی کیا جاتا ہے کہ عقلی قوت کی مدد سے استفادہ کا دائرہ جس حد تک وسیع ہو سکتا ہو لوگ اپنی کوششوں کو اس دائرے تک محدود رکھتے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقل انسانی ارتقائی مدارج کے لحاظ سے ابتدائی منزلوں ہی میں جب تک رہی اس وقت تک بھی ایسی مخلوقات جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے تھے یا منافع کی توقع رکھتے تھے یا ضرر رسانی کے پہلوؤں کو جن چیزوں کے متعلق کم کرنا چاہتے تھے خصوصاً نفع و ضرر کے اس باب میں جن مخلوقات کو گونہ اہمیت حاصل تھی اور کی افادیت یا ضرر رسانی کا پہلو زیادہ نمایاں تھا، ان ہی چیزوں کو قابو میں لانے کے لئے جہاں عقل و دانش سے کام لیا جاتا تھا وہیں عام طریقہ یہ بھی مروج تھا کہ خالق سے رشتہ قائم کرنے کے لئے جو جذبات و عواطف فطرت انسانی میں ودیعت کئے گئے ہیں یعنی دعا، عبادت وغیرہ کے فطری رجحانات کا جو حال ہے ان ہی جذبات کا رخ بجائے خالق کے اسی "عملی مادیت" کی ذہنیت والے مخلوقات کی طرف پھیر دیا کرتے تھے۔ مثلاً کسی ملک کے مختلف حصے یا قطعات پانی کے کسی سیلابی راہ کے بن جانے کی وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تھے، یعنی کوئی دریا یا ندی نالہ درمیان میں حائل ہو کر لوگوں کی آمد و رفت کی سہولتوں کو دشواریوں سے اگر بدل دیتا تھا، تو آج کل کے دستور کے مطابق ان دریاؤں ندیوں نالوں سے گذرنے کے لئے میکانیکی ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں انجینئری کی مہارتوں سے کام لیا جاتا ہے لیکن عقل انسانی جب تک ترقی کر کے اس درجہ تک نہیں پہنچی تھی جہاں آج پہنچ چکی ہے تو ابتدا میں کچھ شناوری اور

پیراکی کے ذریعہ سے عبور و مرور کی دشواری کو لوگ حل کرتے تھے یا اس سے بھی آگے بڑھ کر کشتیوں اور ہوا کے بہاؤ پہ چلنے والے بادبانی جہازوں سے بھی کام لینے لگے۔ مشکلات پر قابو پانے کی یہ عقلی تدبیریں تھیں لیکن ظاہر ہے کہ بسا اوقات کشتیاں ڈوب بھی جاتی تھیں، جہاز پانی کی موجوں سے ٹکرا ٹکرا کر برباد ہو جاتے تھے اسی قسم کے مواقع جہاں دیکھا جاتا تھا کہ عقلی سہارے ختم ہو چکے ہیں اپنی فطرت کے دعائی اور عبادتی رجحانات کا رخ پانی کے اسی مجموعہ کی طرف پھیر دیا کرتے تھے جو نام بھی اس مجموعہ کا رکھدیا جاتا تھا۔ اسی نام کے ساتھ جیکارے لگاتے تھے ہمارے ملک میں آج تک یہ رواج موجود ہے کہ گنگا یا جمنا کے کنارے پہنچ کر گنگا ماا کی جے جمنا جی کی دہائی وغیرہ الفاظ کے ساتھ لوگ چلانے لگتے ہیں اور پانی جیسی غیر قرار پذیر حقیقت جب پوجی گئی جو ہر سال ندیوں اور دریاؤں کی راہ سے گذر کر سمندر میں گم ہوتی رہتی ہے اور نیا سال پانی کے نئے ذخیروں کو لاتا رہتا ہے تو سورج چاند تارے جو نامعلوم زمانہ سے ایک ہی حال میں نظر آتے ہیں، ان کے معبود بن جانے پر کیوں تعجب کیا جائے، الغرض عناصر جمادات نباتات حیوانات جن میں نفع و ضرر کا پہلو نمایاں تھا، بہ تدریج معبودوں کی فہرست میں ان کا اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ ایسے انسانی افراد جن سے کسی قسم کا نفع لوگوں کو پہونچا تھا، جب اپنی مدتِ حیات ختم کر کے اس دنیا سے چلے گئے تو ان سے استفادہ کی راہ پوجا پاٹ کی اسی راہ سے کھلی رکھی گئی اور ان کی مورتیاں بنا بنا کر لوگ پوجتے رہے۔

بہر حال عقلی ذرائع کے ساتھ ساتھ دعائی اور عبادتی رجحانات کا بھی نفع بخش اور ضرر رساں مخلوقات کے ساتھ تعلق قائم کر کے ان سے استفادہ یا ان کے ضرر رساں پہلوؤں سے استخفاظ اور بچاؤ کا سامان کرنا، میرے نزدیک بت پرستی کی یہی صحیح توجیہ واقعات کے مطابق ہے، کوئی شبہ نہیں کہ ہے تو یہ عقل انسانی کے عہد طفولیت اور نابالغی ہی کی یادگار لیکن اسی کے ساتھ یورپ کے عام مفکرین و مصنفین کی مشہور و معروف توجیہ، جہاں تک میرا خیال ہے ایک قسم کے فریب ستم ظریفی کے سوا شاید وہ اور کچھ نہیں ہے انسانی عقل و دانش کے ساتھ ایک تمسخر ہے لیکن ذکر اس کا ہر علم و فن کی چھوٹی بڑی کتابوں میں کچھ اس طرح کیا جاتا ہے کہ گویا واقعہ کی اصل حقیقت بھی وہی ہے یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ شروع میں اپنی کم عقلی کی وجہ سے لوگ آفتاب و ماہتاب، برق و رعد، الغرض ہر ایسی چیز جس سے آدمی مرعوب یا غیر معمولی طور پر اثر

پھیر ہو جاتا تھا، وہ خدا مان لی جاتی تھی، لیکن ترقی کی منزلوں کو جوں جوں عقل طے کرتی چلی جاتی تھی خداؤں کی تعداد بھی گھٹتی چلی گئی تا آنکہ آخر میں ایک خدا کو مان لیا گیا جس سے گویا یہ سمجھانا مقصود ہے کہ توحید کا عقیدہ شرک ہی کے عقیدے کا جانشین ہے، آدمی پہلے مشرک تھا اور عقلی ارتقار کے بعد لوگ موحد ہوئے اور اور گو اپنی اس توجیہ کو بیان کرنے والے عموماً اسی نقطہ تک پہنچا کر خاموش ہو جاتے ہیں، لیکن درحقیقت ایک خاص قسم کا الحادی اشارہ اس توجیہ میں بھی پوشیدہ ہے، انسانی ذہن کو اس توجیہ کی راہ سے ایک ایسی لغزش گاہ تک پہنچا دیا جاتا ہے جس پر پہنچنے والا باسانی انکار خدا کے نتیجے کی طرف پھسلا کر پہنچا دیا جاسکتا ہے یہ خود ہی بہ یک عنود اسی الحادی چٹان پر منہ کے بل گر سکتا ہے یعنی بآسانی لہذا یا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں آدمی کی عقل جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے پچھلے دنوں کے لحاظ سے چونکہ بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو چکی ہے اس لئے "ایک خدا" کی ضرورت بھی آخر کیوں باقی رکھی جائے۔ بت پرستی کی اس خود تراشیدہ مغربی توجیہ کا یہ ایک فدرتی لیکن ایک ایسا نتیجہ ہے جس کی طرف اس راہ پر چلنے والے یا چلائے جانے والے چاہئے تو یہی کہ پھسل کر خود پہنچ جائیں۔ حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ یورپ کے عام پیشہ ور ارباب فکر و نظر ہی نہیں بلکہ مستند پادریوں بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کی کتابوں میں بھی کسی پس و پیش کے بغیر بت پرستی کی توجیہ کا تذکرہ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس طور پر کیا جاتا ہے کہ گویا جس دین یا مذہب کے وہ ماننے والے ہیں اس پر کسی قسم کی کوئی زد اس توجیہ سے نہیں پڑتی بلکہ افسوس کے ساتھ اس کے اظہار پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ یورپ والوں کی اس ذہنی پھندے کا شکار کچھ دنوں سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ ہمارے ہاں کے مولویوں کا ایک طبقہ بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر ہو چکا ہے اپنی تحریروں اور تقریروں میں شرک و بت پرستی کی اسی توجیہ کا چرچہ وہ بھی کرنے لگے ہیں، حالانکہ اور کچھ نہیں تو ان کو یہی سوچنا تھا کہ پہلے انسان جب تورات و انجیل اور قرآن کے بیان کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

العیاذ باللہ اگر اسی کو واقعہ مان لیا جائے کہ توحید کا عقیدہ بنی آدم میں عقیدۂ شرک کے بعد پیدا ہوا تو اس کا مطلب آپ خود سوچئے اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدم علیہ السلام اور ان کے بعد ابنائے آدم شرک میں مبتلا رہے، توحید کا عقیدہ پچھلی نسلوں میں عقیدۂ شرک کے بعد پیدا ہوا ان کو سوچنا چاہئے

کہ یہ مان لینے کے بعد کیا ان کی آسمانی کتابیں جنہیں وہ خدا تعالیٰ کی کتابیں یقین کرتے ہیں خدا کی کتابیں باقی رہتی ہیں خود ہندوستان کا حال بعد کو جو کچھ بھی ہوا لیکن مہابھارت جیسی آسمانی کتاب تک میں یہ اطلاع آج تک پائی جاتی ہے یعنی یہ بیان کرتے ہوئے کرت جگ جس کو ست جگ کہتے ہیں"

بھر ست جگ جو انسانی تاریخ کے سب سے پہلے دور کی ہندی تعبیر ہے، اسی عہد کی دوسری خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ

اس جگ میں دھرم (ایمان) کا ناش نہیں ہوتا تھا (یعنی اس میں خلل نہیں پیدا ہوتا تھا

دھرم کے ناش نہ ہونے کا مطلب آگے یہ بیان کیا گیا ہے، کہ

دیوتا[1]، دانو، گندھرب، کنھر، جلش، ناگ ایک پرشوتم[2]، بھگوان کی پوجا کرتے تھے (بن پرب اکتھرداں ادھیائے)

شرک اور بت پرستی زمین کا جو حصہ سب سے زیادہ بدنام ہے، بلکہ آج تو شاید ساری دنیا میں سمجھا جاتا ہے کہ بت پرستی اور مشرکانہ کاروبار کا سب سے بڑا علم بردار صرف ہمارا یہ ملک ہی باقی رہ گیا ہے، اب دیکھ رہے ہیں کہ اس کی بھی ایسی کتابوں میں جو دینی کتابوں ہی کے ذیل میں شمار ہوتی ہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمی پہلے موحد اور تنہا خالق کائنات کا پرستار تھا، دھرم میں ناش ہونے کی کیفیت یعنی مشرکانہ جراثیم بعد کو شریک ہوئے تو پھر یورپ والوں کا یہ پھیلاتے پھرنا کہ آدمی پہلے مشرک تھا، اور یہ تدریج عقلی ترقیوں کے بل بوتے پر وہ توحید کے موجودہ عقیدہ تک پہونچا ہے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

اور یہ تو خیر نقلی شہادتیں ہیں لیکن ان کے سوا انسانیت کی تاریخ کا جو حصہ اس وقت تک محفوظ رہ گیا ہے۔ اسی کا مطالعہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ خالق عالم کے ساتھ دوسری چیزوں کو

[1] مختلف قسم کے غیبی مخلوقات جن میں بعض ادنیٰ اور بعض اعلیٰ سمجھے جاتے تھے ان ہی کو ہندوستان قدیم میں مذکورہ بالا ناموں سے موسوم کیا کرتے تھے آخری دو لفظ جکش و ناگ کے معنی وہی ہیں جو ہمارے جن و انس کے الفاظ سے مراد لیتے ہیں [2] پرشوتم لاند لہ ولا ضد لہ کی تعبیر ہے، یعنی جس کی نظیر اور جس کا کوئی مدمقابل نہ ہو۔

پوجنے والے وقتاً فوقتاً جو پوجتے رہے ہیں، اور اپنے معبودوں میں ان کو شریک کرتے رہے ہیں کیا کسی زمانہ میں ان کو خدا یعنی یہ مانا گیا ہے کہ عالم کی آفرینش وتخلیق کا کام انہوں نے انجام دیا ہے۔ اس سلسلہ میں پرانی تاریخ ملک مصر کی ہے، اس میں شک نہیں کہ اپنے عروج و اقبال کے زمانہ میں مصر والوں کے یہاں بے شمار معبودوں کے پوجنے کا رواج تھا، کچھ دن ہوئے برہان میں فقیری ہی کا ایک مقالہ شائع ہو چکا ہے جس میں بتایا گیا تھا کہ سانڈ، کتے، بلی وغیرہ جیسی چیزیں بھی مصر میں پوجی جاتی تھیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ان سارے معبودوں کو مصر والے خدا کے مخلوقات ہی میں شمار کرتے تھے ان میں کسی کے متعلق یہ خیال نہیں پایا جاتا تھا کہ دنیا کو وہ پیدا کرنے والے اور اس کے خالق ہیں، اسی مقالہ میں میں نے لکھا تھا کہ مصر والوں کے چند ممتاز معبودوں میں وہ کیڑے بھی شریک تھے جنہیں عربی زبان میں جعلان اور ہم لوگ گبریلے کہتے ہیں، ان مصریوں کے متعلق یہ کیسے مان لیا جائے کہ اسی گبریلے کیڑے کو عالم کا خالق کسی زمانہ میں وہ مانتے تھے یہ تو یورپ کے مادہ پرستوں ہی کا دل وجگر ہے کہ کائنات کے اس جیتے جاگتے نظام کے متعلق یہ ماننے پر تیار ہو گئے ہیں، کہ بے جان مردہ مادّہ سے ابل پڑا ہے جس میں زندگی نہ تھی اسی سے زندگی جس میں علم و ادراک نہ تھا اسی سے علم و ادراک الغرض ہر قسم کے کمالات سے جو مادّہ خالی تھا اچانک اسی سے کمالات کا یہ سمندر ٹھہرا جس کا نام عالم ہو

بہرحال پوجنے والے اس میں شک نہیں کہ مختلف زمانہ میں مختلف چیزوں کو پوجتے رہے ہیں اور آج تک ان پوجنے والوں کی کافی تعداد آدم کی اولاد میں باقی ہے ان میں جو گذر چکے ان کو جانے بھی دیجیے لیکن جو باقی رہ گئے ہیں ان ہی سے پوچھیے اور سنئے جواب میں بالاتفاق وہ یہی کہیں گے کہ چاند ہو یا سورج، آگ ہو یا پانی سانپ ہو یا گائے بیل یہ سب کچھ خدا ہی کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں یہی خیال ان کے بزرگوں کا بھی تھا اور اب بھی وہ یہی مانتے ہیں، باوجود اس کے وہی نفع وضرر کے پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے بزرگوں نے بھی ان خدائی مخلوقات کے ساتھ دعا و عبادت کا رشتہ قائم کر لیا تھا اور اپنے باپ دادوں کی اسی روش پر اب بھی وہ گامزن ہیں۔

الغرض بت پرستی کی یہ مضحکہ خیز مغربی توجیہ کہ بہت سے خداؤں کو بہ تدریج گھٹاتے ہوئے ایک خدا کے عقیدے تک عقلِ انسانی پہنچی ہے، عقلاً نقلاً تاریخاً بجز ایک ایسی ادعائی توجیہ کے اور کچھ نہیں۔ ہے جس کا تعلق

وواقعات سے قطعاً کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رہے،

بالکل ممکن ہے کہ دنیا کی موجودہ موحد قوموں یعنی خالق عالم کے سوا کسی مخلوق کی عبادت کو جو دین نہیں بلکہ بے دینی ہی کا سب سے زیادہ خطرناک اور مہیب تالب یقین کرتے ہیں، ان کے قلوب میں بت پرستی کی اس مغربی توجیہ سے اس اغوائی وسوسہ کا بھی ڈالنا توجیہ کرنے والوں کا مقصود ہو کہ پرانی مشرک اور بت پرست قوموں ہی کی یادگار اور جانشین دنیا کی موجودہ موحد قومیں ہیں، دونوں میں فرق اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ آہستہ آہستہ کثرت سے ہٹتے ہوئے وحدت کے نقطہ تک عقل وخرد نے ان کو پہنچا دیا ہے، قطع نظر اس سے کہ ذہنِ انسانی اس توجیہ کے زیر اثر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں طبعاً اس لغزش گاہ تک پہنچ جاتا ہے۔ جس پر پہنچنے کے بعد الحاد یعنی ایک خدا کے انکار کی گھاٹیوں میں پھنس کر گر پڑنے کا خطرہ سامنے آجاتا ہے، گویا الحادی ذہنیت کی زمین کی تیاری کا کام جہاں اس منحوس توجیہ سے لیا جاسکتا ہے وہیں خالق پرستوں کے دل میں اس خیال کو پیدا کر کے کہ پرانی مخلوق پرست مشرک قوموں ہی کی وہ یادگار اور جانشین ہیں اس سے استقامت واطمینان، سکینت وثبات کے ان جذبات کو مضمحل کرنا بھی مقصود ہو، جو ہر موحد توحید کے عقیدہ کے متعلق اپنے اندر پاتا ہے تو اس پر متعجب نہ ہونا چاہئے، دجل وفریب کے اس عہد تاریں میں آنے والے جن جن راہوں سے آرہے ہیں، اور سبیل اللہ سے اللہ کے بندوں کو روکنے، بلکہ بھڑکانے بدکانے کی بے پناہ کوششیں نت نئی گوناگوں شکلوں میں ہر طرف جاری وساری ہیں ان کو دیکھتے ہوئے میرے اس خیال کو صرف بدگمانی قرار دینے کی جرات مشکل ہی سے کوئی کرسکتا ہے حالانکہ اس راہ میں بھی اگر حقیقت پر نظر رکھی جائے تو باسانی معلوم ہوسکتا ہے کہ خالق سے بے گانہ ہو کر مخلوقات ہی مخلوقات میں آج یورپ کے باشندے جو ڈوبے ہوئے ہیں صحیح معنوں میں پرانی مخلوقات پرست قوموں کی یادگار یا جانشین ہونے کی عزت اگر حاصل ہوسکتی ہے تو اس عزت کے جائز حقدار اور وارث وہی ہوسکتے ہیں آخر خود سوچئے بت پرست قوموں کی سب سے بڑی خصوصیت جیسا کہ آپ سن چکے ہی تو تھی کہ بجائے خالق کے مخلوقات ہی سے اپنا رشتہ انہوں نے قائم کرلیا تھا، ان کا دستور ہی یہ تھا کہ نفع اور ضرر کے پہلو جن مخلوقات میں زیادہ نمایاں تھے۔ ان ہی سے عقلی رشتہ کے سوا عبادتی اور دعائی رشتہ بھی قائم کرلیا کرتے تھے، وہ دریاؤں پر قابو حاصل کرنے

کے لئے عقل کے زور سے کشتی اور جہاز جیسی چیزیں بھی بناتے اور چلاتے تھے اور جہاں عقلی سہارا ختم ہو جاتا تھا وہاں دیکھا جاتا تھا کہ دعاء و عبادت کے جذبات جو خالق ہی سے ربط پیدا کرنے کے لئے انسانی فطرت میں ودیعت کئے گئے ہیں ان جذبات کا رخ بھی دریاؤں اور اس کے پانی کی طرف پھیر دیا کرتے تھے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ یہ جو کچھ تھا ان کے عقول کی خامی ہی کا نتیجہ تھا شنوائی کی قوت جو آوازوں کے سننے کے لئے آدمی میں رکھی گئی ہے اس قوت سے رنگ، اور روشنی جیسی چیزوں کے جاننے کی کوشش جس کے لئے بینائی کی قوت ہمیں بخشی گئی ہے جیسے بدعامل شنوائی کی قوت کا یہ غلط استعمال اور کچھ نہیں ہے، اسی طرح دعاء و عبادت، پوجا پاٹ، جب تب کے فطری اقتضاؤں سے بجائے خالق کے مخلوقات کو راضی کرنے کی کوشش یہ بھی عقل کی خامی اور نابالغی ہی زمانہ کا فیصلہ تھا لیکن بایں ہمہ خالق سے بے گانگی، اور مخلوقات ہی میں ہمہ تن استغراق، اس باب میں ان قدیم بت پرست قوموں کا حال ان ہی نئی قوموں کا تھا جن کی زندگی کی سرگرمیوں میں مخلوقات کے سوا خالق کے لئے کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے، فرق اگر کچھ ہے تو صرف یہی ہے کہ اپنے عقلی ضعف اور نابالغی کی وجہ سے عقلی رشتہ کے سوا دعائی رشتہ ہی پرانی بت پرست قومیں ان ہی مخلوقات سے قائم کئے ہوئے ہیں جن کے افادی پہلوؤں سے وہ نفع اٹھانا چاہتے تھے یا ضرر سے جن کے بچنا چاہتے تھے اور عقل کے اس عہد ارتقاء میں دعائی رشتہ کو ختم کر کے نئی قوموں نے صرف عقلی رشتہ کو ان ہی مخلوقات کے ساتھ باقی رکھا ہے جن سے وہ مستفید ہونا چاہتے ہیں یا ضرر رسانی سے جن کے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اسی لئے صحیح معنوں میں پرانی بت پرست اور مخلوق پرست قوموں کی یادگار اور باضابطہ وارث اور جانشین اگر ہو سکتی ہیں تو اس زمانہ کی وہی قومیں ہو سکتی ہیں جو خالق سے قطعاً کنارہ کش ہو کر یکسوئی کے ساتھ مخلوقات ہی میں گڑی ہوئی ہیں ان ہی کے ادھیڑ بن میں اور ان ہی کے الٹنے پلٹنے میں مصروف مشغول ہیں، لیکن خالق کے سوا کسی قسم کی کوئی مخلوق ہو نباتات و جمادات و حیوانات ہی نہیں بلکہ ملک ہو، جن ہو، یا کوئی بڑا آدمی ہی کیوں نہ ہو، ولی ہو، نبی ہو، رسول ہو، کچھ ہو کسی مخلوق کے ساتھ عبادتی و دعائی رشتہ قائم کرنا جن کے نزدیک بد دینی کی بدترین شکل ہو بھلا ان خالق پرست امتوں کو پرانی بت پرست یا مخلوق پرست قوموں کی یادگار یا جانشین قرار دینا تمسخر کے سوا اور بھی کچھ ہے۔

لیکن اس ظلم کا کوئی ٹھکانہ ہے، عرض ہی کر چکا ہوں کسی فن کی کوئی کتاب ہو، بڑی ہو چھوٹی ہو، کسی نہ کسی حیلے سے بت پرستی کی مذکورہ بالا توجیہ اپچ کو ہیر پھیر کر دہراتے والے کچھ اس طرح دہراتے رہے کہ توراۃ والوں کے دماغ سے توراۃ کا وہ سبق نکل گیا جو پہلے انسان آدم علیہ السلام کے متعلق پڑھایا گیا تھا انجیل والوں کو بھی یہ یاد تر ہے کہ بت پرستی کی اس توجیہ پر ایمان لانے کے بعد انجیل پر ان کا ایمان باقی بھی رہتا ہے یا نہیں، اور جب قرآن کے ماننے والوں کے سامنے بھی قرآن کی آیتوں کا مفاد اس غوغائی ہنگامہ میں اوجھل ہو گیا جن میں بتایا گیا ہے کہ انسانوں کا پدر اول کن خصوصیتوں کا حامل تھا اسی لئے محراب و منبر سے بھی اس دجالی توجیہ کی آواز بازگشت ٹکرانے لگی ایسی صورت میں مہابھارت کی رزمیہ نظم کو اپنی دینی کتاب والوں سے بھلا کیا شکایت کی جائے کہ ست جگ یعنی تاریخ انسانی کے سب سے پہلے دور اور قرآن کی سب سے بڑی خصوصیت ان غریبوں کو کیوں یاد نہ رہی ؟

اگرچہ شکر ہے کہ تقریباً چند صدیوں تک یورپ کے علمی نقار خانے بت پرستی کی اسی توجیہ قطعاً غلط، سراسر بے بنیاد توجیہ سے جو گونجتے رہے، ان ہی نقار خانوں سے کبھی کبھی طوطی کی زبانوں سے اس قسم کے الفاظ بھی نکلنے لگے ہیں، کچھ دن ہوئے یورپ سے مارسٹن صاحب کی کتاب دی بائبل کمز الائیو نامی آئی تھی جس میں بت پرستی کی مذکورہ عام اور مشہور توجیہ کے مقابلہ میں یہ دعویٰ پیش کیا گیا ہے کہ

"نسل انسانی کی قدیم ترین مذہب کی تاریخ توحید سے آخری درجہ تک کے شرک اور بدروحوں کے اعتقاد کی طرف ایک تیز رو پرواز ہے"

اور تاریخی شواہد و بنیات کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ توحید ہی کا عقیدہ انسان کا ابتدائی عقیدہ ہے کچھ نقار خانوں میں طوطی ہی کی آواز سنی، لیکن جب وہ اٹھنے لگی ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس دجالی فریب کا پردہ آج نہیں تو کل ہی چاک ہو گا، خدا کرے کہ جیسے بہت سے مسائل میں یورپ والے حقائق و واقعات کی روشنی میں نتیجے تک پہنچ چکے ہیں اس مسئلہ میں بھی ان کی توفیق بخشی جائے اور یہ تو خیر بت پرستی کی گونہ نئی توجیہ ہے چند صدیوں سے زیادہ اس کی عمر شاید آگے نہیں بڑھ سکتی لیکن اسی بت

پرستی یا مشرکانہ کاروبار کی ایک قدیم کہنہ توجیہ ہی ہے، جیسے بجائے توجیہ و تاویل کے آیا لوجی معذرت قرار دینا غالباً زیادہ درست ہوگا۔ عام طور کے ترک و توحید کا تذکرہ جہاں چھڑتا ہے پیش کرنے والے اس کو پیش کر دینے کے عادی ہیں یعنی نادیدہ، ان دیکھے خالق ہی سے رشتہ قائم کرنے میں پیش نظر دیدہ مخلوقات سے سہارا لینے کی یہ کوشش ہے مطلب گویا یہ ہوتا ہے کہ بت پرستی کی روح بھی درحقیقت خالق پرستی ہی ہے، لیکن خالق چونکہ ہمارے سامنے نہیں ہے، اس لئے کسی ایسی مخلوق کو سامنے رکھ لیا جاتا ہے جس پر نظر بھی جم سکتی ہے اور دل و دماغ بھی ہر طرف سے سمٹ کر ایک نقطہ پر ٹھہرانے میں مدد ملتی ہے

اس میں شک نہیں کہ کہنے والوں نے پہلے بھی یہی کیا ہے اور آج بھی دھرانے والے بت پرستی کی اس پرانی توجیہ کو عموماً دھراتے رہتے ہیں۔ المسعودی جو چوتھی صدی کا سیاح و مورخ ہے، ہندوستان کی بت پرستی کا ذکر کرتے ہوئے اس نے بھی اطلاع دی ہے کہ

اللبیب منھم یقصد بصلاتہ الخالق ویقیم التماثیل من الاصنام والصور مقام قبلۃ ص ۱۹۱ مروج الذہب بر کامل ابن اثیر	یعنی ان ہندوستانی بت پرستوں میں جو صاحب مغز و عقل ہیں وہ تو اپنی پوجا پاٹ پرارتھنا میں خالق ہی کو اپنا مقصود بناتے ہیں اور مورتیوں یا تصویروں کو بطور قبلہ کے اپنے سامنے رکھتے ہیں (یعنی چہرہ بتوں کی طرف رہتا ہے اور توجہ خالق کی طرف)

غالباً ہندوستان میں اس کے سامنے یہی توجیہ معذرت کی شکل میں پیش ہوئی ہوگی، کیوں کہ اس ملک میں وہ خود بھی آیا ہے اور مختلف مقامات کی سیر کی ہے۔ باقی۔

سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں آسان اور دل نشین انداز میں سیرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہم واقعات کو بیان کیا گیا ہے دورِ حاضر کی مختلف سیرت نبوی کی کتابوں میں جامعیت کے اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

قیمت مجلد ۲؎ بلا جلد ۱۲؎